تسلیم و رضا کا اسوۂ کامل

خرم مراد

مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں پہلا وہ گھر خدا کا، جس کے گرد ان دنوں عشاقِ بے تاب کا ایک ہجومِ بے پناہ دنیا کے گوشے گوشے سے کھنچ کھنچ کر پروانہ وار جمع ہو رہا ہے، اور ہزاروں برس سے ہوتا چلا آرہا ہے، ہمارے لیے مرکزِ زندگی کا مقام رکھتا ہے۔ اس گھر کی غریب و سادہ و رنگین داستان کے ورق ورق پر آیاتِ بینات کا ایک اتھاہ خزانہ رقم ہے۔ ان آیات میں دیدہ و دل وا کرنے کے لیے، راہِ زندگی روشن کرنے کے لیے، اور منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے، بیش بہا دولت محفوظ ہے۔ اس گھر میں وہ زم زم ہی رواں نہیں ہے جو چار ہزار سال سے پیاسوں کی پیاس بجھا رہا ہے اور بجھاتا چلا جائے گا، بلکہ اس ہی سے ہدایت و برکت کا وہ زم زم بھی جاری ہوا ہے جس نے سارے جہانوں کی معنوی تشنگی دور کرنے اور ان کے قلوب و ارواح اور فکر و عمل کی سیرابی کا سامان کیا ہے۔ اور کیوں نہ ہو، کہ اس ایک گوشۂ مکان کے حصے میں یہ سعادت آئی ہے کہ خدائے لامکاں کی رحمتِ کاملہ نے اسیرِ مکان و زماں کو اپنا تقرب بخشنے کی خاطر اسے اپنا گھر بنا لیا ہے۔ (**اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ** آل عمران: ۹۶)

ان آیاتِ بینات میں سب سے نمایاں، اخلاص و محبت اور اطاعت و وفا کے وہ نقوش ہیں جو اس گھر کے ایک ایک پتھر پر، اور اس کے جوار میں ایک ایک چپے پر، سلسلۂ رشد و ہدایت کے امامِ اولیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے راہِ خدا میں اپنے مقامِ عالی سے ثبت کیے ہیں۔ انہوں نے ربِ واحد کی بندگی کی خاطر وطن چھوڑنے کے بعد، اپنی یکہ و تنہا بیوی اور شیرخوار بیٹے کو اس گھر کے جوار میں لا بسایا، انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اس گھر کی دیواریں چنیں، انہوں نے اس گھر کی زیارت کے لیے مشرق و مغرب کو پکارا، انہوں نے اس گھر کو طواف، اعتکاف، قیام اور رکوع و سجود کا مرکز بنایا، یہیں انہوں نے بارگاہِ محبوب میں اپنے بیٹے کی قربانی پیش کی۔ انہوں

نے ہی مشیتِ الٰہی کی طرف سے اس گھر کو سلسلۂ رشد و ہدایت کے امامِ آخر صلی اللہ علیہ وسلم، اور امتِ مسلمہ کے ظہور کا مبدا و مرکز بنانے کے فیصلے کو، دعا کے رنگ میں، ثبت و ظاہر کر دیا۔

پھر اللہ کا یہ گھر، اور یہ البلد الامین ان تمام تابناک و بے مثال روایات کا حامل بھی بن گیا جو بعثتِ محمدیؐ، نزولِ قرآن، دعوتِ اسلامی، اور ہجرت و جہاد کے ابواب میں محفوظ ہیں۔ اس گھر کا کوئی پتھر ایسا نہیں، اس کے قرب میں کوئی چٹان اور سنگریزہ ایسا نہیں، جس کے دل میں ہدایت و دعوت اور ہجرت و جہاد کا کوئی نہ کوئی نقش محفوظ نہ ہو، اور جویا و پیاسا اسے پا نہ سکتا ہو۔ سوچیے تو یہ بھی وراثتِ ابراہیم ہی ہے۔ (مِلَّةَ اَبِيۡكُمۡ اِبۡرٰهِيۡمَ ؕ هُوَ سَمّٰٮكُمُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ۔ الحج:۷۸)

حضرت ابراہیمؑ نے اس گھر کو، اور اس شہر کو ایسا جائے امن بنایا کہ جو اس میں داخل ہو جاتا ہے، اس کے جان و مال محفوظ ہو جاتے ہیں، اور ہمیشہ سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔ مگر انہوں نے اس گھر میں ہدایت کا جو مرکز قائم کیا، صرف وہ مرکز ہی ایک ایسا مرکز ہے جہاں انسان داخل ہو تو اس کے قلب و روح، فکر و سوچ، اخلاق و کردار، شخصی زندگی اور حیاتِ اجتماعی، سب محفوظ و مامون ہو جاتے ہیں۔ اگر کہیں انسان خوف و حزن، ظلم و فساد، اور دنیا و آخرت کے بگاڑ اور تباہی سے امن حاصل کر سکتا ہے تو اس بناء ہدایت میں داخل ہو کر جو عالمِ معنوی میں خانۂ کعبہ کی مثال ہے۔ (وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ آل عمران:۹۷)۔

صراطِ مستقیم پر چلنے کے لیے، اس لیے یہ ضروری ہوا کہ جو پہنچ سکتا ہو وہ کم سے کم عمر میں ایک دفعہ، حضرت ابراہیمؑ کی طرح گھربار ترک کر کے، طویل مسافت طے کر کے، لباسِ دنیا اتار کے، اللہ کے اس گھر تک ضرور پہنچے، اور یہاں فیض کا جو چشمہ بہہ رہا ہے اس میں ضرور غوطہ لگائے۔ اس گھر پر وہ اپنے دل کا لنگر ڈال دے، اس کو نگاہوں میں بسا لے کہ اس کو دیکھنا بھی عبادت ہے، اس کے چاروں طرف چکر کاٹے، اس کے در و دیوار سے چمٹے، اس کے جوار میں پہاڑیوں پر چڑھے، وادیوں میں چلے اور رب البیت کے دربارِ عرفات میں حاضر ہو جائے۔ (وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا ؕ آل عمران:۹۷)

لیکن نہ ہر شخص پہنچ جانے کی استطاعت رکھ سکتا ہے، نہ عمر میں صرف ایک دفعہ ہو آنا اس چشمۂ ہدایت سے فیضِ مطلوب حاصل کرنے کے لیے کفایت کرتا ہے۔ جو ھُدًی لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ہے اس کے ساتھ تو زندگی کے ہر لمحہ مربوط رہنا ناگزیر ہے۔ چنانچہ یہ بھی ضروری ہوا کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی ہو، اور جس حالت میں بھی ہو، ہر روز پانچ دفعہ، دنیا کا ہر شغل اور ہر دلچسپی ترک

کر کے (جس طرح حج کے لیے کرتے ہو)، اس برکت و ہدایت کے گھر کی طرف رخ کرو، سامنے اسی گھر کو رکھو، نگاہیں اسی پر جماؤ۔ (وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ البقرہ:۱۴۴)

بیت اللہ کے حج کو جانا، عمر بھر جانے کی آرزو اور شوق میں سلگتے رہنا، گویا کہ اس کو اپنی سعی و طلب کا مقصود بنانا، اور ہر روز پانچ دفعہ اس کی طرف رخ کر کے اپنے رب کے سامنے جھکنا اور بچھ جانا اور اس سے ہمکلام ہونا، گویا کہ اس کو اپنے دل و نگاہ کا مرکز بنانا، ایسے اعمال ہیں جو ہماری زندگیوں کو رخ، رنگ اور ساخت عطا کرتے ہیں۔ ان دنوں جب حج کا موسم ہے اور زائرین اس شمع کے گرد ہجوم کر رہے ہیں، ہمیں آگاہ ہونا چاہیے کہ اس گھر میں، اس کی تاریخ میں، اس کی روایات میں، اس میں ثبت کردہ نقوش و آثار میں، برکت و ہدایت اور آیاتِ بینات کے کیسے کیسے بیش بہا خزانے ہیں جو ہماری جستجو کے منتظر ہیں، اور جن سے ہمیں اپنی جھولی بھرنا چاہیے۔

بر و بحر میں فساد کا تلاطم ہو، ہمارے گھروں میں ظلم اور فتنہ کی طغیانی ہو، امت ذلت و مسکنت کے شکنجہ میں کسی ہوئی ہو، اغیار کا غلبہ و تسلط ہو، باہمی افتراق و عداوت ہو، خونِ مسلم کی ارزانی اور عزتِ مسلم کی پامالی ہو، امتِ مسلمہ کا احیا مقصود ہو، جس طرح بچہ کو ماں کے سینے سے چمٹ کر ہی امن و اطمینان نصیب ہوتا ہے، انسانیت اور امتِ مسلمہ کو امن اور فلاح، بیت اللہ کی دی ہوئی ہدایت سے چمٹ کر ہی نصیب ہو سکتی ہے۔

خدائے لامکاں کسی مکان میں سما نہیں سکتا۔ بیت اللہ تو ایک علامت ہے ایک شعار ہے، اور اس لیے ہے کہ مرکزِ دل، محبوبِ نظر، مقصودِ سعی وجہد، اللہ اور صرف اللہ، بن جائے۔ جو اللہ کو مضبوطی کے ساتھ تھام لے، اسی کے ساتھ جڑ جائے، اس طرح تھام لے اور جڑ جائے جس طرح کہ اللہ کا حق ہے، وہی صراطِ مستقیم پا لیتا ہے (وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ آل عمران:۱۰۱) ہدایت کوئی لیبل چسپاں کر لینے سے حاصل نہیں ہوتی، وہ یہودی کا لیبل ہو نصرانی کا، یا محمدی کا۔ نہ ہدایت خانہ کعبہ کا چکر کاٹ آنے سے ملتی ہے، نہ اس کی طرف منہ کر لینے سے۔ ہدایت تو حضرت ابراہیمؑ کی طرح اللہ کا حنیف بندہ بن جانے کا نام ہے، جس میں شرک کی گندگی کا شائبہ تک بھی نہ ہو (بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ البقرہ:۱۳۵)

حضرت ابراہیمؑ حنیف تھے۔ یعنی وہ سب کچھ چھوڑ کر صرف اللہ کے بن گئے تھے، اس کے

ہو رہے تھے، اور اللہ کے سوا کسی کے نہ رہ گئے تھے۔

انہوں نے ہر ڈوبنے والی چیز کی، اور ماسوا اللہ ہر چیز ڈوبنے والی اور فنا ہونے والی ہے، محبت ترک کر کے، تمام چمکتے دمکتے چاند، سورج اور ستاروں کا طلسم توڑ کے، اپنا اور اپنی زندگی کا رخ صرف اللہ کی طرف کر لیا تھا، سب سے بڑھ کر صرف اس کی محبت اپنے دل میں بسا لی تھی، صرف اس کو طلب و سعی کا مرکز بنا لیا تھا، صرف اسی پر نگاہیں جما دی تھیں، یا یوں کہیے صرف اسی کو اپنی شخصیت اور زندگی کا قبلہ بنا لیا تھا، اور اس رخ میں، توجہ میں، وابستگی میں، اللہ کے علاوہ اور کوئی رخ نہ تھا جو شریک ہو۔

انہوں نے اپنا سب کچھ اپنے رب کے حوالے کر دیا تھا، اور کوئی چیز اس سے بچا کر نہ رکھی تھی ـــــ اپنے علاقے اور محبتیں، اپنا گھر اور وطن، اپنی بیوی اور بیٹے، اپنی دنیا اور اپنی متاع ـــــ پرستش بھی اس کی، ہر چیز اس کے اشارے پر حاضر اور قربان بھی، زندگی بھی اسی کی، موت بھی اسی کی۔ اور اس خود سپردگی میں بھی شمہ برابر حصہ اللہ کے علاوہ اور کسی کے لیے نہ لگایا تھا۔

وہ اپنے رب کے ہر حکم کی فرمانبرداری کے لیے ہر وقت مستعد اور حاضر تھے۔ آگ میں بے خطر کود پڑنے کا حکم ہو، گھر اور وطن چھوڑ کر نکل جانے کا حکم ہو، باپ کے لیے استغفار تک ترک کر دینے کا حکم ہو، تمام معبودان باطل سے اعلانِ برأت و عداوت کا حکم ہو، اہل و عیال کو وادی غیرذی زرع میں بسانے کا حکم ہو، پتھروں سے اللہ کے گھر کی دیواریں چننے کا حکم ہو، اکلوتے اور محبوبِ نور نظر کے گلے پر چھری چلانے کا حکم ہو۔ ان کی زبان پر ہر وقت لبیک تھا، وہ ہر وقت حاضر تھے، ان کی ہر چیز حاضر تھی۔

توحیدِ خالص، ریاضی کے فارمولے کی طرح، اللہ کو ایک مان لینا نہیں، بلکہ حضرت ابراہیمؑ کی طرح سب کچھ چھوڑ کر صرف اسی کا بن جانا اور اسی کا ہو کر رہنا ہے۔ بیت اللہ کی آیاتِ ہدایت میں سب سے نمایاں اور سب سے اہم حضرت ابراہیمؑ کا یہی اسوۂ بندگی ہے جو "اسلام" اور حنیفیت سے عبارت ہے۔ حج اور استقبالِ قبلہ کا عمل ہمیں بندگیِ رب کے اس رنگ میں رنگنے ہی کے لیے ہے، جس کی شان حضرت ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ نے اپنی توحیدِ خالص، اخلاص و وفاداری، فرمانبرداری اور یکسوئی سے قائم کی۔ یہی رنگ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، یہی اس کو مطلوب ہے، یہی اس کے ہاں مقبول ہے۔ اس رنگ میں رنگ جانے والوں ہی سے وہ راضی ہوتا ہے۔ انہی سے دنیا میں علو و امامت کا وعدہ ہے، اور آخرت میں جنت کے انعام سے سرفرازی

کا۔

ہم حج بھی کریں، عمروں کے لیے بھی جائیں، منہ کعبہ شریف کی طرف کرکے نمازیں بھی پڑھیں، مگر ہم پر وہ رنگ نہ چڑھے جو حضرت ابراہیمؑ کا رنگ تھا، تو اس سے بڑھ کر ہماری حرماں نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے، اور جو حرماں نصیبی ہمارا مقدر بن گئی ہے اس کا سبب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ ہم سے دنیا میں جو وعدے ہیں ـــــ استخلاف فی الارض کا وعدہ ہے، غلبہ دین کا وعدہ ہے، خوف سے نجات اور امن سے ہم کنار کرنے کا وعدہ ہے ـــــ وہ سب وعدے اس شرط کے ساتھ مشروط ہیں کہ ہم اللہ کے ایسے بندے بن جائیں کہ بندگی اور کسی کے لیے نہ ہو۔ (یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا النور:۵۵)

مشرق سے لے کر مغرب تک نظر ڈال لیجیے! کیا امتِ مسلمہ میں حضرت ابراہیمؑ کا کوئی ایسا رنگ ہے جو غیر مسلموں اور مشرکوں کے رنگ سے الگ ہو۔ اپنے دلوں کو دیکھیے، انہی کی طرح بے شمار ٹکڑوں میں منقسم ہیں اور ہر ٹکڑے میں ایک الگ معبود بیٹھا ہوا ہے۔ اغراض و مقاصد پر نظر ڈالیے، انہی کی طرح وہ بھی ان گنت ہیں اور ان میں سب سے کم مقام ان کا ہے جو اللہ کے نزدیک محبوب ترین ہیں۔ نماز میں بیشک ہمارا منہ قبلہ کے علاوہ کسی اور طرف نہیں ہوتا، لیکن زندگی میں تو انہی کی طرح ہمارے بہت سے قبلے ہیں جو ہماری توجہات اور وابستگیوں کا مرکز ہیں۔ زبان پر بیشک لبیک ہے، لیکن ہم نہ خود اپنے کو، نہ اپنی کسی محبوب چیز کو، اللہ کے لیے حاضر کرنے کو تیار ہیں۔ ہر حکم کی تعمیل میں ہماری اپنی کسی نہ کسی خواہش، پسند و ناپسند، محبوب و مبغوض کی قربانی دامن گیر ہو جاتی ہے، یا ہزاروں اندیشے اور خوف ہمیں چاروں طرف سے گھیر کر ہماری راہ مسدود کر دیتے ہیں۔ حج ہو یا استقبالِ قبلہ، بے جان مراسمِ عبادت نہ ہمارے قلوب کو بیدار کرتے ہیں، نہ نگاہوں میں پاکیزگی و یکسوئی پیدا کرتے ہیں، نہ عمل میں صالحیت۔ یہ نہ ہماری سوچ بدلتے ہیں، نہ شخصیت نہ زندگی۔

بیت اللہ کی آیاتِ بینات میں سے یہ بھی ہے کہ ہمہ اقتدار و ہمہ اختیار حیّ و قیوم خدا، جو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا بلاشرکت غیرے مالک کل ہے، اور جس کی کرسی، اقتدار سب کو سمیٹے ہوئے ہے، وہ جب چاہے موت کو زندگی سے، زندگی کو موت سے، اندھیروں کو روشنی سے، روشنی کو اندھیروں سے، عزت کو ذلت سے، اور ذلت کو عزت سے، بدل دیتا ہے۔ جو اس کے ساتھ ایمان اور بندگی کا رشتہ قائم کر لے، اسے ہر اندیشہ اور خوف سے، ہر

حزن و غم سے، ہر حسرت و یاس سے پاک ہونا چاہیے۔

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیمؑ جب حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو مکہ میں بسانے کے لیے آئے تو وہاں نہ انسان کا نام و نشان تھا، نہ پانی کا، نہ زراعت کا، نہ خورد و نوش کا کوئی انتظام، ایک تھیلی (جراب) کھجوروں کی، اور ایک مشکیزہ پانی کا، بس یہ کل کائنات تھی جو وہ ان کے پاس چھوڑ کر چلے۔ حضرت ہاجرہؑ نے بار بار پوچھا کہ ہمیں ایسی وادی میں چھوڑ کر آپ کہاں چلے، جہاں نہ آدم نہ آدم زاد، نہ کوئی اور چیز۔ کوئی جواب نہ پایا تو سوال کیا، کیا اس کا حکم آپ کو اللہ نے دیا ہے؟ فرمایا، ہاں۔ یہ سن کر وہ اطمینان و سکون اور امن کی اس جنت میں داخل ہو گئیں، جس کا باغ ان کے اندر لہلہا اٹھا۔ یہ جنت کیا تھی؟ فرمایا، **اِذَنْ لَا یُضَیِّعُنَا** (پھر تو وہ ہم کو ضائع نہ کرے گا)۔ بخاری کی ایک دوسری روایت کے مطابق، حضرت ہاجرہؑ کے پوچھنے پر کہ ہمیں کس پر چھوڑ کر جا رہے ہو، حضرت ابراہیمؑ نے کہا، اللہ پر۔ یہ سن کر وہ پورے سکون و اطمینان سے بولیں، **رَضِیْتُ بِاللّٰہِ** (میں اللہ پر راضی ہوں)۔

اللہ پر یقین اور اعتماد، اللہ پر بھروسہ اور توکل، اللہ کے ہر فیصلہ پر خوش، بندگی رب کی یہ کیفیت تھی کہ ایک یکہ و تنہا عورت اپنے شیر خوار بچے کے ساتھ، پتھریلے بیابان میں، بھیانک اور ڈراؤنی راتیں، تپتے ہوئے دن، موذی جانور، چور اور ڈاکو، سب کے باوجود، اطمینان اور امن کی کیفیت سے مالا مال تھی۔ معاش کا بندوبست بھی کھجوروں کی ایک تھیلی اور پانی کے ایک مشکیزہ سے زائد کچھ نہ تھا۔ پھر بیت اللہ کی تاریخ گواہ ہے کہ جہاں کوئی وسائل نہ تھے، کوئی اسباب نہ تھے، کوئی سہارا نہ تھا، صرف خطرات ہی خطرات تھے، وہاں خدائے حی و قیوم چار ہزار سال سے سب کچھ بخش رہا ہے۔ جہاں کوئی انسان نہ تھا، وہاں لاکھوں انسان دنیا بھر سے چلے آ رہے ہیں۔ جہاں نہ پانی تھا نہ کھانا، وہاں ہر قسم کا خورد و نوش کا سامان پایا جاتا ہے۔

یہ علم ہو جانے کے بعد، پیغمبر کی زبان سے کہ جس کا علم غیر مشتبہ ہے، کہ یہ خدا کا حکم ہے، کچھ مادی وسائل نہ ہونے کے باوجود، دنیا بھر میں یکہ و تنہا ہونے کے باوجود، ہر قسم کے سنگین اور مہیب خطرات اور اندیشوں کے سامنے ہوتے ہوئے، اطاعت و فرمانبرداری کی راہ چل پڑنا ہی حکمت و دانائی کا راستہ ہے۔ یہی حکمت و دانائی راسخ ہونا چاہیے اس میں جو چشم سر سے بیت اللہ کو دیکھے، اور پانچ وقت اس کی طرف رخ کرے۔ کیا ہم اغیار کے علم و حکمت سے جھولیاں بھرنے کے بعد، اپنی اس سب سے بیش بہا متاعِ حکمت کو کھو نہیں بیٹھے ہیں؟

حج کے تقریباً سارے ارکان، سعی، جہد، اور حرکت پر مشتمل ہیں۔ گھر سے نکلنا، سفر کرنا، بیت اللہ کے گرد طواف کرنا، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، مکہ سے نکل کر منیٰ میں ڈیرے ڈالنا، اگلے دن ہی وہاں سے کوچ کر دینا اور عرفات میں جمع ہو جانا، مغرب ہوتے ہی عرفات سے چل دینا، رات کی چند گھڑیاں مزدلفہ میں گزار کے صبح ہی صبح منیٰ واپس پہنچ جانا، پھر مکہ جا کر طواف اور سعی کرنا۔

بندگیٔ رب کا خلاصہ بھی یہی ہے۔ اللہ کے ہر حکم اور پکار پر لبیک کہنا، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے کھڑے ہو جانا، جو کچھ بھی میسر ہو اور جس حالت میں بھی ہو، تعمیل حکم کے لیے نکل پڑنا، اپنی طرف سے کوشش اور جہد میں کوئی کسر نہ چھوڑنا، وسائل زیادہ سے زیادہ جمع کرنا اور ہر ممکن بہتر سے بہتر تدبیر کرنا مگر بھروسہ اور نظر صرف تدبیر رب پر رکھنا، اور جو کچھ کرنا صرف رب کے لیے کرنا۔

حج میں سارے اعمال، ان صفات کے راسخ کرنے ہی کا کام نہیں کرتے، بلکہ ان اعمال میں حضرت ابراہیمؑ کا اسوہ کامل بھی برابر تازہ کرتے ہیں، اور اسے نگاہوں کے سامنے لاتے ہیں۔ پتھر کے ایک معمولی سے گھر کو یہ مقام، قبولیت، محبوبیت اور مرجعیت حاصل ہوئی تو اس میں اس مشن کو بھی دخل تھا جس کے لیے انہوں نے یہ گھر تعمیر کیا اور یہاں اپنی ذریت کو بسایا، اور اخلاص نیت و عمل کو بھی۔ مکان بنوانے والے نے آغاز ہی میں ہدایت کر دی تھی کہ "میری بندگی میں کسی کو شریک نہ بنانا" (الحج)، اور میرے گھر کو طواف و اعتکاف اور رکوع و سجود کے لیے پاک و آباد رکھنا (البقرہ)۔ انہوں نے اپنے عزائم اور تمناؤں کا اظہار بھی واشگاف الفاظ میں فرمایا تھا۔ یہ کہ "مجھے اور میری نسلوں کو اصنام پرستی سے بچانا"" اور یہ کہ "وہ نماز قائم کریں" (ابراہیم)، یہ کہ "ہماری ذریت بھی تیری فرمانبردار رہے"۔ اس گھر کو بناتے ہوئے جو دعا لبوں پر جاری تھی وہ صرف رب کے نزدیک قبولیت کی تمناؤں پر مشتمل تھی۔ (رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ البقرة ۲: ۱۲۷) اس کے علاوہ نہ کسی کی خوشنودی مطلوب تھی، نہ کسی کے صلہ و انعام پر نظر تھی۔

اس گھر کی آیات میں ایک روشن پیغام سعی کے اس عمل کے اندر بھی ہے جو صفا اور مروہ کے درمیان کی، جاتی ہے۔ یہ یادگار ہے اس بھاگ دوڑ کی جو حضرت اسماعیلؑ کو پیاس سے جاں بلب دیکھ کر حضرت ہاجرہؓ نے صفا اور مروہ کے درمیان کی۔ کبھی صفا پر چڑھتیں، کبھی بھاگ کر جاتیں اور مروہ پر چڑھتیں۔ سعی کا پیغام یہ بھی ہے کہ اللہ کو ہم سے ارادہ کے ساتھ ساتھ سعی

بھی مطلوب ہے‘ عمل اور کوشش بھی مطلوب ہے‘ اور اسی پر وہ نتائج مرتب فرماتا ہے۔ ”ہر انسان کے لیے وہی ہے جس کے لیے وہ سعی کرے“ (النجم)‘ اور ”جو آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لیے سعی کرے جیسا کہ سعی کرنے کا حق ہے ..... اس کی کوشش کی پوری پوری قدردانی کی جائے گی۔“ سعی کا پیغام یہ بھی ہے کہ جب بندہ اپنی بندگی کو اللہ کے لیے خالص کرے‘ اور حتی المقدور کوشش میں اپنے کو لگا دے‘ تو اس کا رب اک پتھریلی وادی میں شیر خوار بچے کی ایڑیوں تلے بھی کبھی ختم نہ ہونے والا چشمہ جاری کر دیتا ہے۔

امت مسلمہ کی کشتی آج جس بھنور میں پھنسی ہوئی ہے‘ کیا وہ اس سے اپنے ہمہ اقتدار و اختیار رب پر ابراہیمؑ و ہاجرہؑ کی طرح کلی بھروسہ کیے بغیر‘ اس کی فرمانبرداری کی راہ میں ان کی طرح اپنا سب کچھ حاضر کیے بغیر‘ اور اس راہ میں جان و مال سے سعی و جہد کیے بغیر‘ نکلنے کی کوئی راہ پا سکتی ہے؟ کیا جس کی نظر کے سامنے ہر روز پانچ مرتبہ بیت اللہ کی آیات بینات کو سامنے لانے کا اہتمام کیا گیا ہو‘ اس کی نفسیات میں ان سوالوں کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے کہ ایسی خراب قوم کیسے سدھرے گی‘ ایسے تاریک حالات کیسے بدلیں گے‘ ایسے بنجر اور سنگلاخ معاشروں میں نیکی کے چشمے کیسے پھوٹیں گے‘ ایسے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں روشنی کی کرن کیسے اور کہاں سے طلوع ہو گی‘ جبر و استبداد کی چٹانوں میں سے راستہ کیسے نکلے گا‘ حقیر کوششیں کیسے رنگ لائیں گی‘ زبردست طاقتوں کا مقابلہ کیسے ہوگا؟ اگر ایک عورت کا یہ یقین کہ **اِذَنْ لَا یُضَیِّعُنَا** (پھر اللہ ہم کو ضائع نہ کرے گا)‘ اور یہ اعلان کہ **رَضِیْتُ بِاللّٰہِ** (میں اللہ سے راضی ہوں)‘ اور اس کی صفا اور مروہ کے درمیان سعی وجہد کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ پتھروں کے ایک معمولی گھر کو یہ مقام عطا کر سکتا ہے‘ اور سنگلاخ زمین سے زم زم کا چشمہ رواں کر سکتا ہے‘ تو آج کی دنیا میں دین کو غلبہ کیوں حاصل نہیں ہو سکتا‘ اور ظلم و فساد سے بھری ہوئی دنیا میں نیکی کا چشمہ کیوں نہیں پھوٹ سکتا؟

دینے والا عاجز و درماندہ نہیں‘ نہ وہ اونگھ اور نیند کا شکار ہوتا ہے‘ لینے والے ہی عاجز و درماندہ ہو گئے ہیں‘ اپنے مقاصد سے اور اپنی قوت و سربلندی کے اصل خزانوں سے غافل ہو کر نیند میں مدہوش ہیں۔ سعی و عمل اور اخلاص و وفا کی جو دنیا ان سے مطلوب ہے اس کو انھوں نے اپنے ارادہ و اختیار سے باہر سمجھ کر رکھا ہے۔ انسانیت ہدایت کے لیے جاں بلب ہے‘ فساد کے بیابان میں زیر زمین امن کا چشمہ موجود ہے‘ مگر یہ دور اپنے ابراہیمؑ کا منتظر ہے۔

حج کا دن تکمیل دین اور اتمامِ نعمت کی بشارت کا دن بھی ہے۔ اس سے اگلے دن ہی ساری

دنیا کے مسلمان عید الاضحیٰ کا جشن مناتے ہیں، اور اللہ کے حضور قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ کیا ان کے درمیان ربط کا ادراک بہت مشکل ہے۔ نزولِ قرآن کے آغاز کے دن، ضبطِ نفس اور تقویٰ، تلاوتِ قرآن اور قیامِ لیل کے ذریعہ قربِ الٰہی کے حصول کے لیے، وقف کیے گئے۔ تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت کے دن، قربانی اور حبِّ الٰہی کے حصول کے لیے مختص کیے گئے۔

تکمیل و اتمام بغیر قربانی کے ممکن نہیں، اور قربانی بغیر محبت کے ممکن نہیں۔ اسی لیے حج کے مناسک تمام تر عشق و محبت پر مشتمل ہیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں

> حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا گیا کہ سال میں ایک دفعہ اپنے کو سرگشتہ و شیدا بنا کر، دیوانوں کی طرح اور عشق بازوں کا وطیرہ اختیار کر کے، محبوب کے گھر کے گرد ننگے پاؤں، الجھے ہوئے بال، پریشان حال، گرد میں اٹے ہوئے، سرزمینِ حجاز میں پہنچیں، اور وہاں پہنچ کر کبھی پہاڑ پر، کبھی زمین پر، محبوب کے گھر کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوں ..... اس خانۂ تجلیات کے اردگرد چکر لگائیں، اور اس کے گوشوں کو چومیں چاٹیں۔

اسی محبت کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ میں یہ استعداد پیدا ہوئی کہ وہ ہر محبوب چیز کو اس کے لیے قربان کر دیں جو ایمان لاتے ہی سب سے بڑھ کر محبوب ہو جاتا ہے۔ **وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ**۔ اور جب محبت کی آخری آزمائش آئی، بیٹے کو قربان کر دینے کے لیے کہا گیا، تو انہوں نے بیٹے کے گلے پر بھی چھری رکھ دی۔ جب وہ محبت کی ان ساری آزمائشوں میں پورے اترے (**فَاَتَمَّھُنَّ**) تو اللہ تعالیٰ نے ان پر وہ نعمت بھی تمام کر دی جو دین کی نعمت کے اتمام کے ساتھ لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتی ہے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ ط قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط

> "یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اتر گیا، تو اس نے کہا: "میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں" (البقرہ ۲:۱۲۴)

جو ایک مکمل دین کے حامل ہونے کا دعویٰ کرتے نہیں تھکتے، ان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جب تک وہ محبت کے اس چیلنج کا جواب دینے کے لیے تیار نہ ہوں گے کہ "کیا کوئی بھی چیز ایسی ہے جو اللہ، اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہے؟" اس وقت تک ان کے سروں پر سے امرِ الٰہی ٹل نہیں سکتا، اور وہ وعدۂ الٰہی کے مستحق ہو نہیں سکتے۔

صدقِ خلیل بھی ہے عشق، صبرِ حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

(مرتبہ، خرم مراد)